ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

الٰہی نامہ میں اخلاقی حکایات اور نبوی تعلیمات کی ادبی تشکیل

ETHICAL NARRATIVES AND THE LITERARY EXPRESSION OF PROPHETIC TEACHINGS IN ILAHI-NAMA

1. Dr. Hafiz Mansoor Ahmad (Corresponding Author)
Assistant Professor, Department of Persian Language and Literature, University of Sargodha (UOS), Sargodha, Pakistan.
Email: mansoor.ahmad@uos.edu.pk
2. Sana Hayat
M.Phil, Department of Persian Language and Literature, University of Sargodha (UOS), Sargodha, Pakistan.
Email: sanahayat134@gmail.com
3. Ishrat Batool
M.Phil, Department of Persian Language and Literature, University of Sargodha (UOS), Sargodha, Pakistan.
Email: askarikhan5200@gmail.com

Abstract

The interaction of narrative pleasure and ethical instruction is a prominent concern in readings of Attar's Ilahi-nama. This article examines the study's account of how the work's structure, thematic variety, and storytelling techniques communicate moral and spiritual concerns. The principal question is how literary narration connects the education of desire with justice, purification, and the ethical significance of the prophetic example. A descriptive and analytical method is used to organize the article's Persian quotations, Urdu translations, and accompanying interpretations into four related fields. The discussion first considers the work's structure, style, narrative method, and moral purpose. It then examines stories concerning authority and its subjects, the discipline of the self, justice, and the possibility of ethical correction. The third field addresses simplicity, detachment, divine love, spiritual fulfilment, and the imagery of inner purity. The final field investigates stylistic beauty, allegorical expression, the articulation of moral advice, and the spiritual significance assigned to literary experience. The argument interprets storytelling as a way of making abstract principles recognizable within situations of desire, responsibility, and choice. Its main conclusion is that ethical instruction is embedded within the work's literary presentation rather than confined to direct exhortation. The study also understands the education of the self as connected with obligations toward others, so that inward discipline and social conduct remain related. The contribution is a thematic account of the way narrative form supports the article's reading of prophetic ethical values. The relation between inward education and social responsibility is especially significant for this interpretation. Stories about authority, simplicity, and compassion bring spiritual aspiration into contact with the treatment of others. This connection provides the study's principal bridge between literary analysis and ethical reflection.

Keywords: Ilahi-nama; Attar; Ethical Narrative; Prophetic Teachings; Justice; Asceticism; Divine Love; Persian Allegory

تعارف موضوع

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

فرید الدین عطار نیشاپوری کا "الٰہی نامہ" (کتابِ خداوندی) ان کی چار مثنویوں میں سے ایک ہے جو تقریباً ۶۵۰۰ اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب اپنے اندر صوفیانہ تعلیمات، اخلاقی ہدایات اور نبوی اسوہ کا حسین امتزاج رکھتی ہے۔ عطار نے اس کتاب کو "الٰہی خزانے کا دروازہ" قرار دیا ہے اور اس کے ذریعے انسانی روح کو اس کے اصل ماخذ سے ملانے کی کوشش کی ہے۔ الٰہی نامہ کی بنیادی کہانی ایک خلیفہ اور اس کے چھ شہزادوں کے گرد گھومتی ہے۔ خلیفہ اپنے بیٹوں سے ان کے دلی آرزوؤں کے بارے میں پوچھتا ہے، اور ہر بیٹا دنیاوی خواہشات کا اظہار کرتا ہے جیسے پریوں کی شہزادی، جمشید کا جام، اور سلیمان کی انگوٹھی۔ اس کے جواب میں خلیفہ ہر خواہش کی بے معنی کو ظاہر کرتا ہے اور روحانی کہانیوں کے ذریعے ان خواہشات کی حقیقی تعبیر بیان کرتا ہے۔ اس کتاب کا مرکزی پیغام یہ ہے کہ انسان جو کچھ بھی تلاش کرتا ہے، وہ حقیقت میں اس کے اپنے اندر موجود ہے۔ یہی وہ گہری اخلاقی اور روحانی حقیقت ہے جسے عطار نے اپنی شاعرانہ اور تمثیلی زبان میں پیش کیا ہے۔ اس مضمون میں ہم الٰہی نامہ کی ساخت اور اسلوب، اس کی اخلاقی حکایات، صوفیانہ اخلاقی فکر، اور نبوی اخلاق کی ادبی تشکیل کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔

مبحث اول: الٰہی نامہ کا تعارف

اس مبحث کے آغاز میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ الٰہی نامہ عطار کی ان مثنویوں میں سے ایک ہے جو نہ صرف فنی اعتبار سے بلکہ فکری اور اخلاقی اعتبار سے بھی انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ کتاب عطار کے طبابت کے پیشے سے حاصل کردہ تجربات کا ثمرہ ہے، جہاں انہوں نے انسانی بیماریوں اور تکالیف کو قریب سے دیکھا اور ان کے روحانی علاج پر غور کیا۔

ا۔ ساخت اور اسلوب

الٰہی نامہ کی ساخت ایک فریم اسٹوری (پردہ کہانی) پر مشتمل ہے، جس کے اندر متعدد چھوٹی بڑی حکایات پیش کی گئی ہیں۔ یہ حکایات لمبائی میں مختلف ہیں، کچھ صرف تین اشعار پر مشتمل ہیں تو کچھ تقریباً چار سو اشعار تک پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ متنوع ساخت قاری کو اکتاہٹ سے بچاتی ہے اور ہر حکایت کو ایک الگ ذائقہ عطا کرتی ہے۔ الٰہی نامہ کا اسلوب نہایت سادہ، روانہ اور مؤثر ہے۔ عطار نے اس کتاب میں تمثیل اور استعارے کا بھرپور استعمال کیا ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ کے آغاز میں تحریر کیا ہے:

«بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ * هست کلید در گنج عظیم»[1]

ترجمہ: "اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان اور رحم والا ہے، یہ عظیم خزانے کے دروازے کی کنجی ہے۔"

اس شعر میں عطار نے کتاب کے آغاز کو "کلید در گنج عظیم" (عظیم خزانے کے دروازے کی کنجی) قرار دیا ہے۔ یہاں "گنج عظیم" سے مراد الٰہی اسرار اور معرفت کا خزانہ ہے، جسے وہ اپنی کتاب کے ذریعے قاری کے لیے کھولنا چاہتے ہیں۔ بسم اللہ کو اس خزانے کی کنجی قرار دے کر عطار نے یہ واضح کیا ہے کہ الٰہی نامہ کی تعلیمات کا ماخذ قرآن اور سنت ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ حقیقی معرفت کا دروازہ اللہ کے نام سے کھلتا ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ کی ایک اور جگہ اسلوب کے بارے میں تحریر کیا ہے:

«این کتاب از نظم و نثر آمیخته است * در میان، هر نکته ای برگیخته است»[2]

ترجمہ: "یہ کتاب نظم اور نثر سے آمیختہ ہے، اس کے اندر ہر نکہت اڑ رہی ہے (یعنی ہر بات دلکش ہے)۔"

اس شعر میں عطار نے اپنے اسلوب کی ایک اہم خصوصیت بیان کی ہے۔ "این کتاب از نظم و نثر آمیخته است" یعنی یہ کتاب نظم اور نثر دونوں کے انداز میں لکھی گئی ہے، جس سے اس میں تنوع پیدا ہو گیا ہے۔ "در میان، هر نکته ای برگیخته است" یعنی اس کے اندر ہر نکہت (خوشبو، لطیف بات) اڑ رہی ہے، یعنی ہر بات دلکش اور پرکشش ہے۔ عطار نے یہاں اپنے اسلوب کی خوبی کو بیان کیا ہے کہ وہ قاری کو اکتانے نہیں دیتے بلکہ ہر حکایت کے ساتھ اسلوب بدل دیتے ہیں۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا ادبی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ الٰہی نامہ کا اسلوب متنوع اور دلکش ہے۔

---

[1] فرید الدین عطار، الٰہی نامہ، تصحیح محمد رضا شفیعی کدکنی (تہران: سخن، ۱۳۸۷ش)، ص ۱

[2] عطار، الٰہی نامہ، ص ۵

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

الٰہی نامہ میں مکالمات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ عطار نے تحریر کیا ہے:

«گفت و گوی پیر و فرزند است این * در میان، پند و حکایت چند است این»[3]

ترجمہ: "یہ باپ اور بیٹے کی گفتگو ہے، اس کے اندر کئی نصیحتیں اور حکایتیں ہیں۔"

اس شعر میں عطار نے کتاب کے اسلوب کی ایک اور خصوصیت بیان کی ہے۔ "گفت و گوی پیر و فرزند است این" یعنی یہ ایک بوڑھے باپ اور اس کے بیٹے کے درمیان مکالمہ ہے۔ اس مکالمے کے ذریعے عطار نے اپنی تعلیمات کو براہِ راست نصیحت کی بجائے ایک دلچسپ مکالمے کے ذریعے پیش کیا ہے۔ "در میان، پند و حکایت چند است این" یعنی اس کے اندر کئی نصیحتیں اور حکایتیں ہیں۔ یہ بتاتا ہے کہ کتاب میں متعدد چھوٹی بڑی حکایات ہیں جو اس مکالمے کے اندر سموئی گئی ہیں۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ مکالمے کے ذریعے تعلیم دینا سب سے مؤثر طریقہ ہے۔

۲۔ موضوعاتی تنوع

الٰہی نامہ موضوعاتی اعتبار سے انتہائی متنوع ہے۔ اس میں صوفیانہ تصورات، اخلاقی اصول، نبوی تعلیمات، اور انسانی نفسیات کے موضوعات کو باریک بینی سے پیش کیا گیا ہے۔ ہر حکایت ایک خاص موضوع پر مرکوز ہوتی ہے اور اس کے ذریعے ایک گہرا سبق دیا جاتا ہے۔ اس کتاب کا مرکزی موضوع "خود شناسی" اور "خدا شناسی" ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ میں موضوعات کے تنوع کے بارے میں تحریر کیا ہے:

«در الهی نامه، گوهرهاست بس * هر گهری را ز دیگر هست خس»[4]

ترجمہ: "الٰہی نامے میں بہت سے گوہر ہیں، ہر گوہر دوسرے سے بہتر ہے۔"

اس شعر میں عطار نے اپنی کتاب کے موضوعاتی تنوع کو "گوھر" (گوہر، موتی) سے تشبیہ دی ہے۔ "در الھی نامہ، گوھر ھاست بس" یعنی الٰہی نامے میں بہت سے گوہر ہیں، یعنی اس میں بہت سے قیمتی اور گہرے موضوعات ہیں۔ "ھر گھری راز دیگر ھست خس" یعنی ہر گوہر دوسرے سے بہتر ہے، یعنی ہر موضوع اپنی جگہ بے مثال ہے، اور ان میں کوئی برتری یا کمتری نہیں ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ الٰہی نامہ ہر بار پڑھنے پر نیا اور تازہ لگتا ہے، کیونکہ اس کے موضوعات بہت متنوع ہیں۔

عطار نے الٰہی نامہ میں چھ شہزادوں کی خواہشات کے بارے میں تحریر کیا ہے:

«هر یکی زیشان دلی آرزومند * هر یکی را در جهان جایی بلند»[5]

ترجمہ: "ان میں سے ہر ایک کا دل آرزو مند تھا، ہر ایک کو دنیا میں ایک بلند مقام چاہیے تھا۔"

اس شعر میں عطار نے چھ شہزادوں کی خواہشات کا ذکر کیا ہے۔ "ھر یکی زیشان دلی آرزو مند" یعنی ان میں سے ہر ایک کا دل آرزو مند تھا، ہر ایک کو کچھ نہ کچھ چاہیے تھا۔ "ھر یکی را در جھان جایی بلند" یعنی ہر ایک کو دنیا میں ایک بلند مقام چاہیے تھا۔ یہ شہزادے دراصل انسانی خواہشات کی علامت ہیں۔ ہر انسان کے دل میں کوئی نہ کوئی آرزو ہوتی ہے، کوئی نہ کوئی خواہش ہوتی ہے۔ لیکن عطار ان خواہشات کی حقیقت کو بعد میں ظاہر کرتے ہیں کہ یہ سب باطل ہیں۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ دنیاوی خواہشات انسان کو اس کی حقیقی منزل سے دور کر دیتی ہیں۔

الٰہی نامہ میں نبوی اخلاق کو بھی تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ عطار نے تحریر کیا ہے:

«در جهان، نیست کسی بهتر ز احمد * هم به باطن، هم به ظاهر، هم به دانش»[6]

ترجمہ: "دنیا میں احمد سے بہتر کوئی نہیں ہے، نہ باطن میں، نہ ظاہر میں، نہ علم میں۔"

---

[3] عطار، الٰہی نامہ، ص ۸

[4] عطار، الٰہی نامہ، ص ۱۲

[5] عطار، الٰہی نامہ، ص ۲۳

[6] عطار، الٰہی نامہ، ص ۴۵

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اس شعر میں عطار نے حضرت محمد ﷺ کی برتری کو بیان کیا ہے۔ "در جھان، نیست کسی بھتر ز احمد" یعنی دنیا میں احمد (محمد ﷺ) سے بہتر کوئی نہیں ہے۔ "ھم بہ باطن، ھم بہ ظاھر، ھم بہ دانش" یعنی نہ باطن میں (روحانی طور پر)، نہ ظاہر میں (اخلاقی طور پر)، اور نہ علم میں۔ یہ شعر نبوی اخلاق کی عظمت کو بڑے واضح الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ عطار کے نزدیک حضرت محمد ﷺ ہر اعتبار سے کامل ترین انسان ہیں۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ نبوی اخلاق ہی انسان کے لیے کامل نمونہ ہے۔

۳۔ حکایتی انداز

الٰہی نامہ کی سب سے بڑی خوبی اس کا حکایتی انداز ہے۔ عطار نے پیچیدہ صوفیانہ اور اخلاقی مفاہیم کو دلچسپ حکایات کے ذریعے پیش کیا ہے، جس سے قاری بآسانی انہیں سمجھ سکتا ہے اور ان سے متاثر ہو سکتا ہے۔ الٰہی نامہ کی حکایات میں کرداروں کے درمیان تضاد بہت واضح ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ کی پہلی لمبی حکایت "پارسا عورت" کے بارے میں تحریر کیا ہے:

«زن پاکی بود در عهد قدیم * در وفا و در مروت، مثل و نیم»[7]

ترجمہ: "قدیم زمانے میں ایک پاکیزہ عورت تھی، وفا اور مروت میں بے مثال تھی۔"

اس شعر میں عطار نے اپنی پہلی لمبی حکایت کے کردار کا تعارف کرایا ہے۔ "زن پاکی بود در عھد قدیم" یعنی قدیم زمانے میں ایک پاکیزہ عورت تھی۔ "در وفا و در مروت، مثل و نیم" یعنی وفا اور مروت (انسانیت، ہمدردی) میں وہ بے مثال تھی۔ یہ حکایت ایک ایسی پاکیزہ عورت کی کہانی بیان کرتی ہے جو نہ چاہتے ہوئے بھی ایک خوفناک سفر پر نکل پڑتی ہے اور راستے میں شدید آزمائشوں کا سامنا کرتی ہے۔ یہ حکایت دراصل روحانی سلوک کی مختلف منزلوں کی علامت ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ روحانی سفر میں وفا اور مروت سب سے اہم صفات ہیں۔

الٰہی نامہ کی ایک اور اہم حکایت "ربعہ اور بکتاش" کے بارے میں ہے۔ عطار نے تحریر کیا ہے:

«ربعه و بکتاش بودند آن زمان * هر یکی را در وفا بودی نشان»[8]

ترجمہ: "اس زمانے میں ربعہ اور بکتاش تھے، ہر ایک وفا میں نمایاں تھا۔"

اس شعر میں عطار نے ایک اور اہم حکایت کے کرداروں کا تعارف کرایا ہے۔ "ربعہ و بکتاش بودند آن زمان" یعنی اس زمانے میں ربعہ اور بکتاش تھے۔ "ھر یکی را در وفا بودی نشان" یعنی ہر ایک وفا میں نمایاں تھا۔ اس حکایت میں ربعہ "روح" کی علامت ہے جبکہ بکتاش "نفس" کا استعارہ ہے۔ عطار نے پوری حکایت ربعہ کی روح کی نجات اور بکتاش کے نفس کے ارتقا کے عمل کے لیے وقف کر دی ہے۔ یہ حکایت نفس کی اصلاح اور روحانی ترقی کے لیے ایک بہترین مثال ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ روح اور نفس کے درمیان جدوجہد ہی روحانی ترقی کا ذریعہ ہے۔

الٰہی نامہ میں حکایات کے اسلوب کے بارے میں عطار نے خود فرمایا ہے:

«داستانها در میان این سخن * هر یکی را گوهری باشد ز کن»[9]

ترجمہ: "ان باتوں کے درمیان کہانیاں ہیں، ہر ایک کے پاس ایک گوہر ہے خزانے سے۔"

اس شعر میں عطار نے اپنی حکایات کی اہمیت کو بیان کیا ہے۔ "داستانھا در میان این سخن" یعنی ان باتوں (یعنی اس مکالمے) کے درمیان کہانیاں ہیں۔ "ھر یکی را گوھری باشد ز کن" یعنی ہر ایک کے پاس ایک گوہر ہے خزانے سے، یعنی ہر حکایت کے اندر ایک قیمتی سبق چھپا ہوا ہے۔ عطار نے یہاں حکایات کو محض دلچسپی کے لیے نہیں بلکہ تعلیم کے لیے پیش کیا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ حکایت کے ظاہر کے بجائے اس کے باطن (چھپے سبق) کو دیکھنا چاہیے۔

---

[7] عطار، الٰہی نامہ، ص ۶۷

[8] عطار، الٰہی نامہ، ص ۱۲۳

[9] عطار، الٰہی نامہ، ص ۱۵

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

۴۔ اخلاقی مقصد

الٰہی نامہ کا بنیادی مقصد اخلاقی تربیت اور روحانی اصلاح ہے۔ عطار نے یہ کتاب "الٰہی خزانے کا دروازہ" قرار دی ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ اس کے ذریعے انسان اپنے اندر چھپے الٰہی گوہر تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کتاب کا اخلاقی مقصد یہ ہے کہ انسان کو دنیاوی خواہشات کی بے ثباتی کا احساس دلایا جائے اور اسے حقیقی منزل (خدا) کی طرف متوجہ کیا جائے۔

عطار نے الٰہی نامہ کے اخلاقی مقصد کے بارے میں تحریر کیا ہے:

«تا بدانی کاین جهان، بازیچه است * هر که در وی دل نهاد، او تیغه است»[10]

ترجمہ: "تاکہ جان لو کہ یہ دنیا کھلونا ہے، جس نے اس میں دل لگایا، وہ بے وقوف ہے۔"

اس شعر میں عطار نے الٰہی نامہ کے اخلاقی مقصد کو بیان کیا ہے۔ "تا بدانی کاین جهان، بازیچه است "یعنی تاکہ جان لو کہ یہ دنیا کھلونا ہے (یعنی بے ثبات اور عارضی ہے)۔ "هر که در وی دل نهاد، او تیغه است "یعنی جس نے اس میں دل لگایا، وہ بے وقوف ہے۔ یہ شعر دنیا کی محبت سے منع کرتا ہے اور اس کی بے ثباتی کو ظاہر کرتا ہے۔ عطار نے یہاں قرآن کے اس اصول کی طرف اشارہ کیا ہے کہ "وما الحياة الدنيا الا متاع الغرور "(دنیا کی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں)۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ دنیا سے دل لگانا بے وقوفی ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ میں ایک اور جگہ اخلاقی مقصد کے بارے میں تحریر کیا ہے:

«تا ز خود غافل نباشی ای پسر * تا رسی از خویشتن سوی قمر»[11]

ترجمہ: "تاکہ اپنے آپ سے غافل نہ رہو، اے بیٹے، تاکہ اپنے آپ سے چاند (بلندی) تک پہنچ جاؤ۔"

اس شعر میں عطار نے خود شناسی کو اخلاقی مقصد قرار دیا ہے۔ "تا ز خود غافل نباشی ای پسر "یعنی تاکہ اپنے آپ سے غافل نہ رہو، اے بیٹے، یعنی اپنی حقیقت کو پہچانو، اپنے نفس کی اصلاح کرو۔ "تا رسی از خویشتن سوی قمر "یعنی تاکہ اپنے آپ سے چاند (بلندی) تک پہنچ جاؤ، یعنی روحانی بلندیوں تک پہنچ جاؤ۔ یہ حدیث نبوی "من عرف نفسه فقد عرف ربه" کی عکاسی کرتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ خود شناسی ہی خدا شناسی کی بنیاد ہے۔

الٰہی نامہ کے اختتام پر عطار نے اپنے اخلاقی مقصد کو یوں بیان کیا ہے:

«هر که این نامه به دل برخواند راست * جان او از جان خود برتر کجاست»[12]

ترجمہ: "جو اس نامے کو دل سے سچائی کے ساتھ پڑھے گا، اس کی جان اپنی جان سے کہاں برتر نہ ہو گی؟"

اس شعر میں عطار نے الٰہی نامہ کے پڑھنے کے اثر کو بیان کیا ہے۔ "هر که این نامه به دل برخواند راست "یعنی جو اس نامے کو دل سے سچائی کے ساتھ پڑھے گا (یعنی اس پر غور کرے گا اور اس پر عمل کرے گا) "جان او از جان خود برتر کجاست "یعنی اس کی جان اپنی جان سے برتر ہو جائے گی، یعنی وہ روحانی طور پر بلند ہو جائے گا۔ یہ شعر الٰہی نامہ کے اخلاقی مقصد کو بڑے واضح الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ الٰہی نامہ کو پڑھنا اور اس پر عمل کرنا روحانی بلندی کا ذریعہ ہے۔

مبحث دوم: اخلاقی حکایات کا تجزیہ

اس مبحث کے آغاز میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ الٰہی نامہ کی اخلاقی حکایات صوفیانہ تعلیمات کا بیش بہا خزانہ ہیں۔ ان حکایات میں عطار نے انسانی نفسیات، اخلاقی اقدار، اور روحانی ترقی کے مراحل کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ عطار نے حکایات کے ذریعے نبی کریم ﷺ کے اخلاقی اسوے کو عام لوگوں کے لیے قابلِ فہم بنایا ہے۔

---

[10] عطار، الٰہی نامہ، ص ۳۴

[11] عطار، الٰہی نامہ، ص ۵۶

[12] عطار، الٰہی نامہ، ص ۴۳۲

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

۱۔بادشاہ ورعایا

الٰہی نامہ میں بادشاہ اور رعایا کے درمیان تعلق کو اخلاقی اور تربیتی تناظر میں پیش کیا گیا ہے۔ عطار نے بادشاہ کو عدل و انصاف کی علامت اور رعایا کو انسانی معاشرے کے استعارے کے طور پر استعمال کیا ہے۔ ان حکایات میں عطار نے بادشاہوں کو عدل و انصاف کی تعلیم دی ہے اور رعایا کو فرمانبرداری اور اطاعت کی تلقین کی ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ کی ایک حکایت میں بادشاہ کے بارے میں تحریر کیا ہے:

«پادشاہ عادل، سایۂ خداست بر زمین * ہر کہ او را دوست دارد، دوستدار حق یقین»[13]

ترجمہ: "عادل بادشاہ زمین پر خدا کا سایہ ہے، جو اس سے محبت کرتا ہے، وہ یقیناً حق کا دوست ہے۔"

اس شعر میں عطار نے عدل و انصاف کی اہمیت کو بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "پادشاہ عادل، سایۂ خداست بر زمین" یعنی عادل بادشاہ زمین پر خدا کا سایہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح سایہ کسی چیز کی موجودگی کی علامت ہوتا ہے، اسی طرح عادل بادشاہ خدا کی موجودگی اور اس کے عدل کی علامت ہے۔ عادل بادشاہ کو "خدا کا سایہ" قرار دے کر عطار نے اس کے مرتبے کو بہت بلند کیا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی واضح کیا ہے کہ یہ مرتبہ صرف اسی صورت میں ہے جب بادشاہ عادل ہو۔ "ہر کہ او را دوست دارد، دوستدار حق یقین" یعنی جو اس (عادل بادشاہ) سے محبت کرتا ہے، وہ یقیناً حق (اللہ) کا دوست ہے۔ یہ تعلیم اس حدیث نبوی پر مبنی ہے کہ "العدل اساس الملک" (انصاف سلطنت کی بنیاد ہے)۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ عدل انصاف ہی معاشرے کی بنیاد ہے۔

الٰہی نامہ کی ایک اور حکایت میں عطار نے بادشاہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

«تا توانی، با رعیت داد دہ / ورنہ، از داد خدا ناشاد دہ»[14]

ترجمہ: "جب تک ممکن ہو، رعایا کے ساتھ انصاف کرو، ورنہ خدا کے انصاف سے ناخوش ہو گے۔"

اس شعر میں عطار نے بادشاہوں کو انصاف کی تلقین کی ہے اور ساتھ ہی انہیں خدا کے انصاف سے ڈرایا ہے۔ "تا توانی، با رعیت داد دہ" یعنی جب تک ممکن ہو، رعایا کے ساتھ انصاف کرو۔ "ورنہ، از داد خدا ناشاد دہ" یعنی ورنہ (اگر انصاف نہ کرو گے تو) خدا کے انصاف سے ناخوش ہو گے، یعنی قیامت کے دن تمہیں خدا کے انصاف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ تعلیم قرآنی اصولوں پر مبنی ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے: "إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ" (بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے)۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں جو ظلم کرے گا، آخرت میں اسے خدا کے انصاف کا سامنا کرنا پڑے گا۔

عطار نے الٰہی نامہ میں ظالم بادشاہ کے انجام کے بارے میں تحریر کیا ہے:

«ہر کہ با رعیت بد کردار بود / روز حشر او پیِ تیمار بود»[15]

ترجمہ: "جو رعایا کے ساتھ بد کردار ہے، قیامت کے دن وہ مصیبت میں ہو گا۔"

اس شعر میں عطار نے ظلم کے انجام کو بیان کیا ہے۔ "ہر کہ با رعیت بد کردار بود" یعنی جو رعایا کے ساتھ بد کردار ہے (یعنی ان پر ظلم کرتا ہے) "روز حشر او پیِ تیمار بود" یعنی قیامت کے دن وہ مصیبت میں ہو گا، یعنی اسے سخت عذاب ہو گا۔ یہ تعلیم قرآن کی اس آیت پر مبنی ہے: "وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ" (اور ہرگز یہ نہ سمجھو کہ اللہ ظالموں کے اعمال سے غافل ہے)۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ ظلم کرنے والے کو آخرت میں سزا ملے گی۔

۲۔نفس کی تربیت

الٰہی نامہ میں نفس کی تربیت کو ایک اہم موضوع قرار دیا گیا ہے۔ عطار نے نفس کو انسان کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا ہے اور اس کی تربیت کے لیے مختلف راہیں بتائی ہیں۔ الٰہی نامہ میں نفس کو "چھ بچوں کے ساتھ خلیفہ" کے کردار میں پیش کیا گیا ہے، جو خواہشات، حرص، اور نفسانی آرزوؤں کی علامت ہیں۔

---

[13] عطار، الٰہی نامہ، ص ۱۲۴

[14] عطار، الٰہی نامہ، ص ۱۵۶

[15] عطار، الٰہی نامہ، ص ۱۵۸

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

عطار نے الٰہی نامہ کی ایک حکایت میں نفس کے بارے میں فرمایا ہے:

«نفس تو دشمن توست، ای مرد راه / نفس تو را بند کشد در گناه»[16]

ترجمہ: "نفس تمہارا دشمن ہے، اے راہی مرد، نفس تمہیں گناہ میں جکڑ دیتا ہے۔"

اس شعر میں عطار نے نفس کو انسان کا دشمن قرار دیا ہے۔ "نفس تو دشمن توست، ای مرد راہ" یعنی نفس تمہارا دشمن ہے، اے راہی مرد (یعنی اے روحانی راستے پر چلنے والے)۔ "نفس تو را بند کشد در گناہ" یعنی نفس تمہیں گناہ میں جکڑ دیتا ہے، یعنی تمہیں گناہوں کی طرف کھینچتا ہے اور پھر ان میں پھنسا دیتا ہے۔ یہ وہی تصور ہے جو قرآن میں "إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ" (بیشک نفس برائی کا حکم دینے والا ہے) کے الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ نفس اس کا سب سے بڑا دشمن ہے، اور اسے اس سے لڑنا چاہیے۔

عطار نے الٰہی نامہ میں نفس کے خلاف جہاد کے بارے میں فرمایا ہے:

«با نفس خود جنگ کن، ای ناتوان / تا رسی از نفس خود را به امان»[17]

ترجمہ: "اپنے نفس سے جنگ کرو، اے کمزور، تاکہ اپنے نفس سے نجات پا جاؤ۔"

اس شعر میں عطار نے نفس کے خلاف جہاد کرنے کی تلقین کی ہے۔ "با نفس خود جنگ کن، ای ناتوان" یعنی اپنے نفس سے جنگ کرو، اے کمزور (یعنی اے وہ شخص جو نفس کے مقابلے میں کمزور محسوس کرتا ہے)۔ "تا رسی از نفس خود را بہ امان" یعنی تاکہ اپنے نفس سے نجات پا جاؤ۔ یہ حدیث نبوی کی عکاسی کرتا ہے کہ "اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ" (مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے)۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ سب سے بڑا جہاد نفس کے خلاف ہے۔

الٰہی نامہ میں نفس کی تربیت کے لیے ریاضت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ عطار نے فرمایا ہے:

«نفس را از شهوت و حرص و هوا / پاک کن، ای آنکه رهی می‌جویی از خدا»[18]

ترجمہ: "نفس کو شہوت، حرص اور خواہش سے پاک کرو، اے وہ جو خدا سے راہ تلاش کر رہے ہو۔"

اس شعر میں عطار نے نفس کی تربیت کے لیے تین اہم نکات بیان کیے ہیں۔ "نفس را از شهوت و حرص و هوا" یعنی نفس کو شہوت (جنسی خواہشات)، حرص (لالچ، دنیا کی طمع) اور ہوا (خواہشات، نفسانی خواہشات) سے پاک کرو۔ "پاک کن، ای آنکه رهی می جویی از خدا" یعنی پاک کرو، اے وہ جو خدا سے راہ تلاش کر رہے ہو۔ یہ تینوں چیزیں نفس کی بنیادی کمزوریاں ہیں۔ ان سے پاک ہونے کے لیے ریاضت اور مجاہدہ ضروری ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ نفس کی اصلاح کے لیے شہوت، حرص اور خواہشات سے بچنا ضروری ہے۔

۳۔ عدل و انصاف

الٰہی نامہ میں عدل و انصاف کو ایک بنیادی اخلاقی اصول کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ عطار نے عدل کو انسانی معاشرے کی بنیاد قرار دیا ہے اور ظلم کو سب سے بڑی برائی قرار دیا ہے۔ انہوں نے عدل کو پانی اور برف سے تشبیہ دی ہے جو ٹھنڈک اور زندگی دیتے ہیں، جبکہ ظلم کو آگ سے تشبیہ دی ہے جو جلانے والی اور تباہ کرنے والی ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ کی ایک حکایت میں عدل کے بارے میں فرمایا ہے:

«عدل، بنیاد جهان است و نظام / بی‌عدل، عالم شود پر از ظلام»[19]

ترجمہ: "عدل، جہان کی بنیاد ہے اور نظام، بے عدل، عالم ظلمات سے بھر جائے گا۔"

---

[16] عطار، الٰہی نامہ، ص ۲۳۴

[17] عطار، الٰہی نامہ، ص ۲۳۶

[18] عطار، الٰہی نامہ، ص ۲۷۸

[19] عطار، الٰہی نامہ، ص ۳۱۲

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اس شعر میں عطار نے عدل کی اہمیت کو بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "عدل، بنیاد جھان است و نظام" یعنی عدل، جہان کی بنیاد ہے اور نظام (یعنی معاشرے کا نظام بھی عدل پر قائم ہے)۔ "بی عدل، عالم شود پر از ظلام" یعنی بے عدل، عالم (دنیا) ظلمات (اندھیروں) سے بھر جائے گا، یعنی ہر طرف فساد، بے امنی، اور برائی پھیل جائے گی۔ یہ تعلیم قرآنی اصول پر مبنی ہے: "إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْإِحْسَانِ" (بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے)۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ عدل کے بغیر معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ میں ظلم اور عدل کے درمیان فرق کو بڑے خوبصورت استعاروں میں بیان کیا ہے:

«ظلم، آتش باشد و سوزنده است / عدل، آب و برف و افروزنده است»[20]

ترجمہ: "ظلم آگ ہے اور جلانے والی ہے، عدل پانی اور برف ہے اور روشنی دینے والا ہے۔"

اس شعر میں عطار نے ظلم اور عدل کے درمیان بنیادی فرق کو بڑے خوبصورت استعاروں میں بیان کیا ہے۔ "ظلم، آتش باشد و سوزنده است" یعنی ظلم آگ ہے اور جلانے والی ہے، یعنی ظلم معاشرے کو جلا کر تباہ کر دیتا ہے، لوگوں کے دلوں کو جلا دیتا ہے۔ "عدل، آب و برف و افروزنده است" یعنی عدل پانی اور برف ہے اور روشنی دینے والا ہے، یعنی عدل ٹھنڈک اور سکون دیتا ہے، اور معاشرے کو روشن کرتا ہے۔ یہ شعر عدل کو ظلم سے بہتر قرار دیتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ عدل زندگی اور سکون لاتا ہے جبکہ ظلم تباہی لاتا ہے۔

الٰہی نامہ میں عطار نے ظالم کے انجام کے بارے میں فرمایا ہے:

«ظالم آن است که بر خلق ستم کرد / داد مظلوم از خدا خود ستم کرد»[21]

ترجمہ: "ظالم وہ ہے جو لوگوں پر ظلم کرے، مظلوم کا حق اس نے خدا سے چھین لیا۔"

اس شعر میں عطار نے ظلم کے سنگین انجام کو بیان کیا ہے۔ "ظالم آن است کہ بر خلق ستم کرد" یعنی ظالم وہ ہے جو لوگوں پر ظلم کرے۔ "داد مظلوم از خدا خود ستم کرد" یعنی مظلوم کا حق اس نے خدا سے چھین لیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ظلم صرف انسانوں پر ظلم نہیں بلکہ خدا کے حقوق کی خلاف ورزی ہے، کیونکہ مظلوم کا حق خدا نے دیا ہے اور ظالم اسے چھین رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن ظالم کو سخت سزا ملے گی۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ ظلم کرنا خدا کی نافرمانی ہے۔

۴۔ اخلاقی اصلاح

الٰہی نامہ کا سب سے بڑا مقصد اخلاقی اصلاح ہے۔ عطار نے اس کتاب میں انسانوں کو ان کی اخلاقی برائیوں سے آگاہ کیا ہے اور انہیں نیک اعمال کی طرف راغب کیا ہے۔ انہوں نے اخلاقی اصلاح کے لیے توبہ اور صبر کو ضروری قرار دیا ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ میں اخلاقی اصلاح کے لیے توبہ کے بارے میں فرمایا ہے:

«توبه، کشتی است و گناهان، اژدها / هر که اندر توبه ننشست، اوفتاد»[22]

ترجمہ: "توبہ کشتی ہے اور گناہ اژدہا، جو توبہ میں نہ بیٹھا، وہ گر گیا۔"

اس شعر میں عطار نے توبہ کی اہمیت کو بڑے خوبصورت استعارے میں بیان کیا ہے۔ "توبہ، کشتی است و گناهان، اژدها" یعنی توبہ کشتی ہے اور گناہ اژدہا (ایک بہت بڑا اور خطرناک سانپ) ہے۔ جس طرح اژدہا سے بچنے کے لیے کشتی میں بیٹھنا ضروری ہے، اسی طرح گناہوں سے بچنے کے لیے توبہ ضروری ہے۔ "هر که اندر توبه ننشست، اوفتاد" یعنی جو توبہ میں نہ بیٹھا، وہ گر گیا، یعنی گناہوں کے اژدہے نے اسے نگل لیا۔ یہ تعلیم اسلامی تعلیمات سے ماخوذ ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے: "تُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا" (اے ایمان والو! اللہ کی طرف توبہ کرو)۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ گناہوں سے بچنے کا واحد راستہ توبہ ہے۔

---

[20] عطار، الٰہی نامہ، ص ۳۱۴

[21] عطار، الٰہی نامہ، ص ۳۴۵

[22] عطار، الٰہی نامہ، ص ۱۸۷

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

عطار نے الٰہی نامہ میں اخلاقی اصلاح کے لیے صبر کے بارے میں فرمایا ہے:

«صبر، آن است که در سختی، شکیباست / صبر، آن است که در بلا، به خدا پیوست است»[23]

ترجمہ: "صبر وہ ہے جو سختی میں ثابت قدم رہے، صبر وہ ہے جو مصیبت میں خدا سے جڑا رہے۔"

اس شعر میں عطار نے صبر کی تعریف بیان کی ہے۔ "صبر، آن است کہ در سختی، شکیباست" یعنی صبر وہ ہے جو سختی (مشکل وقت) میں ثابت قدم رہے، گھبرائے نہیں۔ "صبر، آن است کہ در بلا، بہ خدا پیوست است" یعنی صبر وہ ہے جو مصیبت میں خدا سے جڑا رہے، یعنی اللہ پر بھروسہ رکھے اور اس سے مدد مانگے۔ یہ وہی صبر ہے جس کا قرآن میں بار بار ذکر کیا گیا ہے: "وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ" (صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ صبر کا مطلب ہے مشکلات میں اللہ سے جڑے رہنا۔

الٰہی نامہ میں عطار نے اخلاقی اصلاح کے لیے ایک اور اہم نکتہ بیان کیا ہے:

«توبه را بر گناه خود مقدم دار / تا رسی از گناه خود به ایزد یار»[24]

ترجمہ: "توبہ کو اپنے گناہوں پر مقدم رکھو، تاکہ اپنے گناہوں سے خدا تک پہنچ جاؤ۔"

اس شعر میں عطار نے توبہ کو گناہ پر مقدم رکھنے کی تلقین کی ہے۔ "توبہ را بر گناہ خود مقدم دار" یعنی توبہ کو اپنے گناہوں پر مقدم رکھو، یعنی جب بھی گناہ ہو جائے، فوراً توبہ کرو، اسے بعد پر نہ ٹالو۔ "تا رسی از گناہ خود بہ ایزد یار" یعنی تاکہ اپنے گناہوں سے خدا تک پہنچ جاؤ، یعنی توبہ کے ذریعے گناہوں سے پاک ہو کر خدا کے قریب ہو جاؤ۔ یہ تعلیم حدیث نبوی پر مبنی ہے: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له" (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو)۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ توبہ انسان کو گناہوں سے پاک کر کے خدا کے قریب کر دیتی ہے۔

مبحث سوم: صوفیانہ اخلاقی فکر

اس مبحث کے آغاز میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ الٰہی نامہ میں صوفیانہ اخلاقی فکر کو بڑے گہرے اور مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ عطار نے اس کتاب میں سادگی و زہد، عشقِ حقیقی، روحانی کمال، اور اخلاقی پاکیزگی جیسے تصورات کو اپنی شاعری میں ڈھالا ہے۔ ان کا صوفیانہ اخلاقی فکر نبوی تعلیمات پر مبنی ہے۔

ا۔ سادگی اور زہد

الٰہی نامہ میں سادگی اور زہد کو روحانی ترقی کے لیے بنیادی شرط قرار دیا گیا ہے۔ عطار کے نزدیک دنیاوی لذتوں اور آرائشوں سے دوری ہی انسان کو خدا کے قریب کر سکتی ہے۔ انہوں نے زہد کی تعریف "دل کو دنیا سے خالی کرنے" کے طور پر کی ہے، جو محض ظاہری ترکِ دنیا نہیں بلکہ باطنی بے رغبتی ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ کی ایک حکایت میں زہد کے بارے میں فرمایا ہے:

«زهد، آن است که دل از دنیا بری کنی / جان خود را با خدا پیوندی کنی»[25]

ترجمہ: "زہد وہ ہے کہ دل کو دنیا سے خالی کرو، اپنی جان کو خدا سے جوڑ دو۔"

اس شعر میں عطار نے زہد کی صحیح تعریف بیان کی ہے۔ "زهد، آن است کہ دل از دنیا بری کنی" یعنی زہد وہ ہے کہ دل کو دنیا سے خالی کرو، یعنی دنیا کی محبت کو دل سے نکال دو۔ "جان خود را با خدا پیوندی کنی" یعنی اپنی جان کو خدا سے جوڑ دو۔ یہاں "زهد" کا تعلق ظاہری ترکِ دنیا سے نہیں بلکہ باطنی بے رغبتی سے ہے۔ جب دل دنیا سے خالی ہو جاتا ہے تو وہ خدا سے جڑ سکتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ حقیقی زہد دل کو دنیا سے خالی کرنا ہے۔

---

[23] عطار، الٰہی نامہ، ص ۲۴۵

[24] عطار، الٰہی نامہ، ص ۱۹۰

[25] عطار، الٰہی نامہ، ص ۸۹

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

عطار نے الٰہی نامہ میں سادگی کے بارے میں فرمایا ہے:

«ساده زی، چون گل که بی‌آرایش است / ساده باش، چون دل که بی‌اندیشه است»[26]

ترجمہ: "سادہ رہو، جیسے پھول جو بے آرائش ہے، سادہ رہو، جیسے دل جو بے اندیشہ ہے۔"

اس شعر میں عطار نے سادگی کو پھول اور دل سے تشبیہ دی ہے۔ "سادہ زی، چون گل کہ بی آرایش است" یعنی سادہ رہو، جیسے پھول جو بے آرائش ہے۔ پھول اپنی فطری خوبی میں ہی خوبصورت ہوتا ہے، اسے آرائش کی ضرورت نہیں ہوتی۔ "سادہ باش، چون دل کہ بی اندیشہ است" یعنی سادہ رہو، جیسے دل جو بے اندیشہ ہے۔ دل جب خالی ہو تو وہ خدا کا آئینہ بن سکتا ہے۔ عطار کے نزدیک سادگی ہی انسان کو خدا تک پہنچانے والا راستہ ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ سادگی فطری خوبصورتی ہے اور تکلف برائی ہے۔

الٰہی نامہ میں عطار نے دنیا کی بے ثباتی کو بھی بیان کیا ہے:

«دنیا، بازیچهٔ کودکان است و بس / زاهد آن است که نبودش هیچ هوس»[27]

ترجمہ: "دنیا بچوں کا کھلونا ہے، بس، زاہد وہ ہے جسے کوئی خواہش نہ ہو۔"

اس شعر میں عطار نے دنیا کی حقیقت اور زاہد کی صفت کو بیان کیا ہے۔ "دنیا، بازیچۂ کودکان است و بس" یعنی دنیا بچوں کا کھلونا ہے، بس۔ جس طرح بچے کھلونوں سے کھیلتے ہیں اور پھر انہیں پھینک دیتے ہیں، اسی طرح دنیا بھی ایک کھلونا ہے جو عارضی طور پر انسان کے پاس آتی ہے اور پھر چلی جاتی ہے۔ "زاهد آن است کہ نبودش ھیچ ھوس" یعنی زاہد وہ ہے جسے کوئی خواہش نہ ہو، یعنی اس کا دل کسی دنیاوی چیز کی طرف نہیں کھنچتا۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ دنیا کو دل لگانے کے بجائے اسے ایک کھلونے کی طرح دیکھنا چاہیے۔

۲۔ عشقِ حقیقی

الٰہی نامہ میں عشقِ حقیقی کو سب سے بلند مرتبہ دیا گیا ہے۔ عطار کے نزدیک عشق ہی وہ قوت ہے جو انسان کو اس کی تمام مادی حدود سے آزاد کر کے خدا تک پہنچا سکتی ہے۔ انہوں نے عشق کو عقل سے بالاتر قرار دیا ہے اور عشق کو کیمیا سے تشبیہ دی ہے جو نچلی چیز کو اعلیٰ چیز میں تبدیل کر دیتا ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ میں عشق کے بارے میں فرمایا ہے:

«عشق، آن است که از جان بگذرد / هر نفس را در جهان دیگر برد»[28]

ترجمہ: "عشق وہ ہے جو جان سے گزر جائے، ہر سانس کو دوسری دنیا میں لے جائے۔"

اس شعر میں عطار نے عشقِ حقیقی کی تعریف بیان کی ہے۔ "عشق، آن است کہ از جان بگذرد" یعنی عشق وہ ہے جو جان سے گزر جائے، یعنی عشق کی شدت انسان کی جان کو بھی قربان کر دیتی ہے۔ "ھر نفس را در جھان دیگر برد" یعنی ہر سانس کو دوسری دنیا (عالمِ معنی، عالمِ روحانیت) میں لے جائے۔ یہ وہ عشق ہے جو انسان کو اس کی تمام مادی حدود سے آزاد کر دیتا ہے اور اسے ایک اور دنیا میں لے جاتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ عشقِ حقیقی انسان کو مادی دنیا سے نکال کر روحانی دنیا میں لے جاتا ہے۔

الٰہی نامہ میں عطار نے عشق کی طاقت کو یوں بیان کیا ہے:

«عشق، کیمیاست و جان، مس ناب است / عشق، آن است که از کفر و ز اسلام برتر است»[29]

ترجمہ: "عشق کیمیا ہے اور جان کچا تانبا، عشق وہ ہے جو کفر اور اسلام سے بالاتر ہے۔"

---

[26] عطار، الٰہی نامہ، ص ۱۱۲

[27] عطار، الٰہی نامہ، ص ۹۴

[28] عطار، الٰہی نامہ، ص ۱۳۴

[29] عطار، الٰہی نامہ، ص ۱۶۷

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اس شعر میں عطار نے عشق کی طاقت کو بڑے خوبصورت استعاروں میں بیان کیا ہے۔ "عشق، کیمیاست و جان، مس ناب است" یعنی عشق کیمیا (وہ کیمیا جو کچھ دھات کو سونا بنا دیتی ہے) ہے اور جان کچا تانبا (جو بے قدر ہے)۔ یعنی عشق نچلی چیز (جان) کو اعلیٰ چیز (روح) میں تبدیل کر دیتا ہے۔ "عشق، آن است کہ از کفر و زاسلام برتر است" یعنی عشق وہ ہے جو کفر اور اسلام سے بالاتر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عشق کی کیفیت اتنی بلند ہے کہ اس کا تعلق کفر و اسلام کے ظاہری درجوں سے نہیں بلکہ روح کے اندرونی مقام سے ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ عشق کی منزل عقل اور مذہب کے ظاہری درجوں سے بھی بلند ہے۔

الٰہی نامہ میں عطار نے عشق کے منازل کے بارے میں فرمایا ہے:

«عشق را منزلگه اول طلب است / لیک عشق از طلب بهتر طلب است»[30]

ترجمہ: "عشق کا پہلا منزل طلب ہے، لیکن عشق طلب سے بہتر طالب ہے۔"

اس شعر میں عطار نے عشق کے پہلے منزل کو "طلب" (تلاش) قرار دیا ہے۔ "عشق را منزلگہ اول طلب است" یعنی عشق کا پہلا منزل طلب ہے، یعنی عشق کی راہ میں قدم رکھنے کے لیے پہلے طلب (حقیقت کی تلاش) ضروری ہے۔ "لیک عشق از طلب بھتر طلب است" یعنی لیکن عشق طلب سے بہتر طالب ہے، یعنی عشق کی حالت میں انسان خود بخود حقیقت کی طرف کھنچتا ہے، اسے تکلف سے طلب کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ عشق کی راہ میں طلب سے آغاز ہوتا ہے لیکن آخر میں عشق خود طالب بن جاتا ہے۔

۳۔ روحانی کمال

الٰہی نامہ میں روحانی کمال کو انسان کا سب سے بڑا مقصد قرار دیا گیا ہے۔ عطار کے نزدیک روحانی کمال کا مطلب ہے اپنی روح کو اس کے اصل ماخذ (خدا) سے ملا دینا۔ انہوں نے روحانی کمال کے حصول کے لیے سات وادیوں کا ذکر کیا ہے: طلب، عشق، معرفت، استغنا، توحید، حیرت، اور فنا۔

عطار نے الٰہی نامہ میں روحانی کمال کے بارے میں فرمایا ہے:

«کمال آن است که از خود برهی / در رخ معشوق، خود را باز بینی»[31]

ترجمہ: "کمال وہ ہے کہ اپنے آپ سے آزاد ہو جاؤ، معشوق کے چہرے میں اپنے آپ کو دیکھو۔"

اس شعر میں عطار نے روحانی کمال کی تعریف بیان کی ہے۔ "کمال آن است کہ از خود برھی" یعنی کمال وہ ہے کہ اپنے آپ سے آزاد ہو جاؤ، یعنی اپنی انانیت، اپنے نفس، اور اپنی خواہشات سے آزاد ہو جاؤ۔ "در رخ معشوق، خود را باز بینی" یعنی معشوق (خدا) کے چہرے میں اپنے آپ کو دیکھو، یعنی جب انسان اپنی انانیت سے آزاد ہو جاتا ہے تو وہ ہر چیز میں خدا کا جلوہ دیکھنے لگتا ہے، اور اپنے آپ کو بھی اسی جلوے کا حصہ پاتا ہے۔ یہ وحدت الوجود کا تصور ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ حقیقی کمال اپنے آپ سے آزاد ہونے میں ہے۔

الٰہی نامہ میں عطار نے فنا اور بقا کے تصور کو یوں بیان کیا ہے:

«فنا آن است که در حق گم شوی / بقا آن است که با حق زنده شوی»[32]

ترجمہ: "فنا وہ ہے کہ حق میں گم ہو جاؤ، بقا وہ ہے کہ حق کے ساتھ زندہ ہو جاؤ۔"

اس شعر میں عطار نے تصوف کے دو اہم تصورات "فنا" اور "بقا" کی تعریف بیان کی ہے۔ "فنا آن است کہ در حق گم شوی" یعنی فنا وہ ہے کہ حق (اللہ) میں گم ہو جاؤ، یعنی اپنی انفرادیت کھو دو، اپنے وجود کو اللہ کی ذات میں ضم کر دو۔ "بقا آن است کہ با حق زندہ شوی" یعنی بقا وہ ہے کہ حق کے ساتھ زندہ ہو جاؤ، یعنی فنا کے بعد جو زندگی ملتی ہے وہ اللہ کے ساتھ ہوتی ہے، وہ ابدی اور حقیقی زندگی ہوتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سالک اپنی انفرادیت کھو کر اللہ میں گم ہو جاتا ہے اور پھر اللہ کے ساتھ زندہ ہو جاتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ حقیقی زندگی فنا کے بعد ملتی ہے۔

---

[30] عطار، الٰہی نامہ، ص ۱۳۸

[31] عطار، الٰہی نامہ، ص ۳۵۶

[32] عطار، الٰہی نامہ، ص ۳۵۸

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

الٰہی نامہ میں روحانی کمال کے حصول کے لیے آلات کے بارے میں عطار نے فرمایا ہے:

«دل چو آیینه شود صافی و پاک / عشق در وی عکس گیرد نورناک»[33]

ترجمہ: "دل جب آئینے کی طرح صاف اور پاک ہو جاتا ہے، عشق اس میں نورانی عکس لیتا ہے۔"

اس شعر میں عطار نے روحانی کمال کے لیے دل کی صفائی کو ضروری قرار دیا ہے۔ "دل چو آیینه شود صافی و پاک" یعنی دل جب آئینے کی طرح صاف اور پاک ہو جاتا ہے (یعنی ہر قسم کی اخلاقی آلودگیوں سے پاک ہو جاتا ہے) "عشق در وی عکس گیرد نورناک" یعنی عشق اس میں نورانی عکس لیتا ہے، یعنی اللہ کی محبت اور معرفت دل میں جگہ پاتی ہے۔ یہ وہی تصور ہے جو حدیث نبوی میں آیا ہے: "إن الله لا ينظر الى صوركم و لا الى اموالكم و لكن ينظر الى قلوبكم و اعمالكم" (بیشک اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے)۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ دل کی صفائی ہی روحانی کمال کی بنیاد ہے۔

۴۔ اخلاقی پاکیزگی

الٰہی نامہ میں اخلاقی پاکیزگی کو روحانی ترقی کی شرط قرار دیا گیا ہے۔ عطار کے نزدیک بغیر اخلاقی پاکیزگی کے کوئی بھی شخص خدا کے قریب نہیں پہنچ سکتا۔ انہوں نے اخلاقی پاکیزگی کے دو پہلو بیان کیے ہیں: ایک "خود" کے سلسلے میں (برے اخلاق سے پاکی) اور دوسرا "خلق" کے سلسلے میں (لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق)۔

عطار نے الٰہی نامہ میں اخلاقی پاکیزگی کے بارے میں فرمایا ہے:

«خود را از خوی بد، چون زر، پاک کن / خویش را با خلق، نیکو خو، پاک کن»[34]

ترجمہ: "اپنے آپ کو برے اخلاق سے سونے کی طرح پاک کرو، اپنے آپ کو لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پاک کرو۔"

اس شعر میں عطار نے اخلاقی پاکیزگی کے دو پہلو بیان کیے ہیں۔ "خود را از خوی بد، چون زر، پاک کن" یعنی اپنے آپ کو برے اخلاق (جیسے حسد، کبر، بخل، ریا، وغیرہ) سے سونے کی طرح پاک کرو۔ جس طرح سونے کو آگ میں ڈال کر میل کچیل سے پاک کیا جاتا ہے، اسی طرح اپنے نفس کو ریاضت اور مجاہدہ کے ذریعے برے اخلاق سے پاک کرو۔ "خویش را با خلق، نیکو خو، پاک کن" یعنی اپنے آپ کو لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق (جیسے نرمی، رحم دلی، درگزر، وغیرہ) سے پاک کرو۔ یہ دونوں پہلو مل کر اخلاقی پاکیزگی کو مکمل کرتے ہیں۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اخلاقی پاکیزگی کا تعلق خود سے بھی ہے اور دوسروں سے بھی۔

عطار نے الٰہی نامہ میں دل کو آلودگیوں سے پاک کرنے کی تلقین کی ہے:

«تا توانی، دل ز کین و حسد بشوی / تا رسی از دل به آن یار قدوس»[35]

ترجمہ: "جب تک ممکن ہو، دل کو کینہ اور حسد سے دھوؤ، تاکہ دل سے اس پاک یار تک پہنچ جاؤ۔"

اس شعر میں عطار نے دل کو دو اہم اخلاقی آلودگیوں سے پاک کرنے کی تلقین کی ہے۔ "تا توانی، دل ز کین و حسد بشوی" یعنی جب تک ممکن ہو، دل کو کینہ (بغض، دشمنی) اور حسد (jalousie) سے دھوؤ، یعنی ان برے جذبات کو دل سے نکال دو۔ "تا رسی از دل به آن یار قدوس" یعنی تاکہ دل سے اس پاک یار (اللہ) تک پہنچ جاؤ، یعنی جب دل ان آلودگیوں سے پاک ہو جائے گا تو وہ اللہ کے قریب ہو سکے گا۔ یہ تعلیم قرآنی اصول پر مبنی ہے: "وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ" (اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے)۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ کینہ اور حسد دل کی سب سے بڑی آلودگیاں ہیں۔

الٰہی نامہ میں عطار نے معرفت کے حصول کے لیے اخلاقی پاکیزگی کو ضروری قرار دیا ہے:

«پس معرفت را نه از آموختن است / بلکه از دل سوختن و باختن است»[36]

ترجمہ: "پس معرفت سیکھنے سے نہیں ہے، بلکہ دل جلا کر اور کھو کر حاصل ہوتی ہے۔"

---

[33] عطار، الٰہی نامہ، ص ۲۹۸

[34] عطار، الٰہی نامہ، ص ۳۲۳

[35] عطار، الٰہی نامہ، ص ۳۲۵

[36] عطار، الٰہی نامہ، ص ۳۰۰

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اس شعر میں عطار نے معرفت کے حصول کا ایک اہم اصول بیان کیا ہے۔ "پس معرفت را نہ از آموختن است" یعنی پس معرفت (خدا کی پہچان) سیکھنے سے نہیں ہے، یعنی کتاب پڑھ کر اور سن کر نہیں ملتی۔ "بلکہ از دل سوختن و باختن است" بلکہ دل جلا کر (یعنی اپنے نفس کو جلا کر، اپنی خواہشات کو ختم کر کے) اور کھو کر (یعنی اپنی انانیت کو کھو کر، اپنے آپ کو فنا کر کے) حاصل ہوتی ہے۔ یہ تصوف کا بنیادی اصول ہے کہ معرفت ذوقی اور قلبی چیز ہے، عقلی نہیں۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ معرفت کے لیے دل کی تڑپ اور فنا ضروری ہے۔

مبحث چہارم: نبوی اخلاق کی ادبی تشکیل

اس مبحث کے آغاز میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ الٰہی نامہ میں نبوی اخلاق کو بڑے خوبصورت اور مؤثر ادبی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ عطار نے حضرت محمد ﷺ کی تعریف و توصیف میں بہت خوبصورت اشعار کہے ہیں اور ان کے اخلاقی اسوے کو اپنی تعلیمات کا محور بنایا ہے۔ ان کا اسلوبی جمال سادگی اور دلکشی میں ہے۔

ا۔ اسلوبی جمال

الٰہی نامہ کا اسلوبی جمال اسے دوسری صوفیانہ تصانیف سے ممتاز کرتا ہے۔ عطار نے نہایت سادہ اور دلکش زبان میں گہرے سے گہرے مفاہیم کو بیان کیا ہے۔ انہوں نے حضرت محمد ﷺ کی تعریف میں بہت خوبصورت اشعار کہے ہیں۔

عطار نے الٰہی نامہ میں حضرت محمد ﷺ کی تعریف میں تحریر کیا ہے:

«محمد را خداوند گزید / بر همه عالم او را برتری داد»[37]

ترجمہ: "محمد کو خدا نے چن لیا، تمام جہان پر انہیں برتری دی۔"

اس شعر میں عطار نے حضرت محمد ﷺ کے مرتبے کو بیان کیا ہے۔ "محمد را خداوند گزید" یعنی محمد ﷺ کو خدا نے چن لیا، یعنی انہیں نبوت کے لیے منتخب کیا۔ "بر همہ عالم او را برتری داد" یعنی تمام جہان پر انہیں برتری دی، یعنی انہیں تمام انسانوں اور جنوں پر فضیلت عطا کی۔ یہ شعر قرآن کی اس آیت کی عکاسی کرتا ہے: "اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ" (اللہ خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کہاں رکھے)۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کو اللہ نے خود منتخب کیا اور تمام جہان پر برتری دی۔

عطار نے الٰہی نامہ میں حضرت محمد ﷺ کی ایک اور تعریف میں تحریر کیا ہے:

«اوست مهر آفرینش، نور هر دو جهان / اوست چشم و روشنی اندر دل و جان»[38]

ترجمہ: "وہ تخلیق کا چہرہ ہے، دونوں جہانوں کا نور، وہ آنکھ اور روشنی ہے دل اور جان میں۔"

اس شعر میں عطار نے حضرت محمد ﷺ کو بڑے خوبصورت الفاظ میں یاد کیا ہے۔ "اوست مہر آفرینش" یعنی وہ تخلیق کا چہرہ ہے، یعنی تخلیق کی خوبصورتی ان میں ظاہر ہے۔ "نور ہر دو جہان" یعنی وہ دونوں جہانوں (دنیا اور آخرت) کا نور ہے۔ "اوست چشم و روشنی اندر دل و جان" یعنی وہ آنکھ اور روشنی ہے دل اور جان میں، یعنی ان کی ذات سے دل اور جان روشن ہوتے ہیں۔ یہ شعر حدیث نبوی کی عکاسی کرتا ہے: "كنت كنزاً مخفياً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق" (میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے خلق کو پیدا کیا)۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی ذات ہر خوبصورتی اور روشنی کا سرچشمہ ہے۔

الٰہی نامہ میں عطار نے نبوی اخلاق کی ایک خصوصیت "تواضع" کو یوں بیان کیا ہے:

«چون پیمبر، تواضع را پیشه ساز / خودپسندی را به یک سو انداز»[39]

ترجمہ: "پیغمبر کی طرح، تواضع کو اپنا پیشہ بنالو، خود پسندی کو ایک طرف پھینک دو۔"

---

[37] عطار، الٰہی نامہ، ص ۴۳

[38] عطار، الٰہی نامہ، ص ۴۵

[39] عطار، الٰہی نامہ، ص ۹۸

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اس شعر میں عطار نے نبوی اخلاق کی اہم خصوصیت "تواضع" کو پیش کیا ہے۔ "چون پیمبر، تواضع راپیشہ ساز" یعنی پیغمبر کی طرح، تواضع (انکسار، عاجزی) کو اپنا پیشہ بنالو، یعنی اسے اپنی عادت بنالو۔ "خود پسندی رابہ یک سو انداز" یعنی خود پسندی کو ایک طرف پھینک دو، یعنی اسے مکمل طور پر چھوڑ دو۔ یہ تعلیم قرآن کی اس آیت پر مبنی ہے: "وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ" (اور مومنوں کے لیے اپنا بازو جھکا دے)۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تواضع نبوی اخلاق کا اہم جز ہے۔

۲۔ تمثیلی بیان

الٰہی نامہ میں تمثیلی بیان کو نبوی اخلاق کی تشکیل کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ عطار نے پیچیدہ اخلاقی مفاہیم کو تمثیلوں کے ذریعے سادہ اور قابلِ فہم بنایا ہے۔ انہوں نے نبوی اخلاق کی خصوصیات کو مختلف تمثیلوں میں ڈھال کر پیش کیا ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ میں نبوی اخلاق کی ایک تمثیل پیش کی ہے:

«چون پیمبر، تو بده با خلق خویش / همچو خورشید، بتاب بر هر درویش»[40]

ترجمہ: "پیغمبر کی طرح، لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق رکھو، سورج کی طرح، ہر درویش پر چمکو۔"

اس شعر میں عطار نے نبوی اخلاق کی دو خصوصیات کو بڑے خوبصورت تمثیلوں میں پیش کیا ہے۔ "چون پیمبر، تو بدہ با خلق خویش" یعنی پیغمبر کی طرح، لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق رکھو، یعنی نرمی، رحم دلی، اور درگزر سے پیش آؤ۔ "ھمچو خورشید، بتاب بر ھر درویش" یعنی سورج کی طرح، ہر درویش (محتاج، غریب) پر چمکو، یعنی بلا تفریق سب پر اپنا فیض پہنچاؤ، کسی کو محروم نہ کرو۔ یہ حضرت محمد ﷺ کی سیرت کی عکاسی کرتا ہے کہ آپ سب کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اچھے اخلاق کا تقاضا ہے کہ سب کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

الٰہی نامہ میں عطار نے نبوی اخلاق کی ایک اور تمثیل پیش کی ہے:

«تو چو باران، بر همه یکسان ببار / ورنه فردا ننگ داری در دیار»[41]

ترجمہ: "تم بارش کی طرح، سب پر یکساں برسو، ورنہ کل اپنے علاقے میں شرمندہ ہوگے۔"

اس شعر میں عطار نے نبوی اخلاق کی ایک اہم خصوصیت کو بارش کی تمثیل سے پیش کیا ہے۔ "تو چو باران، بر ھمہ یکسان ببار" یعنی تم بارش کی طرح، سب پر یکساں برسو، یعنی بلا تفریق سب پر احسان کرو، کسی کو چھوڑو نہیں۔ "ورنہ فردا ننگ داری در دیار" یعنی ورنہ کل (قیامت کے دن) اپنے علاقے (یعنی محشر) میں شرمندہ ہوگے، یعنی تمہیں سب کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ یہ تعلیم حدیث نبوی پر مبنی ہے: "الراحمون یرحمہم الرحمن" (رحم کرنے والوں پر رحمان رحم کرتا ہے)۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ سب پر یکساں رحم کرنا نبوی اخلاق کا حصہ ہے۔

۳۔ اخلاقی پیغام

الٰہی نامہ کا اخلاقی پیغام نبوی اخلاق پر مبنی ہے۔ عطار نے اس کتاب میں تواضع، درگزر، ہمدردی، اور غمخواری جیسی اخلاقی خوبیوں کو فروغ دیا ہے۔ ان کے نزدیک حقیقی معرفت کے لیے نبوی اخلاق کو اپنانا ضروری ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ میں نبوی اخلاق کے بارے میں فرمایا ہے:

«خلق پیغمبر، ادب بود و حیا / خلق پیغمبر، کرم بود و سخا»[42]

ترجمہ: "پیغمبر کے اخلاق ادب اور حیا تھے، پیغمبر کے اخلاق کرم اور سخاوت تھے۔"

اس شعر میں عطار نے نبوی اخلاق کی چار بنیادی خصوصیات بیان کی ہیں۔ "خلق پیغمبر، ادب بود و حیا" یعنی پیغمبر کے اخلاق ادب (شائستگی، تمیز) اور حیا (شرم، لاج) تھے۔ یہ باطنی پاکیزگی کی علامت ہیں۔ "خلق پیغمبر، کرم بود و سخا" یعنی پیغمبر کے اخلاق کرم (بزرگی، عطا) اور سخا (فیاضی، فراخ دلی) تھے۔ یہ ظاہری حسنِ سلوک کی علامت

---

[40] عطار، الٰہی نامہ، ص ۶۷

[41] عطار، الٰہی نامہ، ص ۶۹

[42] عطار، الٰہی نامہ، ص ۷۸

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

ہیں۔ یہ چاروں خصوصیات مل کر نبوی اخلاق کی مکمل تصویر پیش کرتی ہیں۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ نبوی اخلاق میں باطنی اور ظاہری دونوں پہلو شامل ہیں۔

الٰہی نامہ میں عطار نے نبوی اخلاق کی ایک اور خصوصیت کے بارے میں فرمایا ہے:

«هر که خواهد تا که او را پی برد / باید او اخلاق پیغمبر گزیند»[43]

ترجمہ: "جو اسے پہچاننا چاہتا ہے، اسے پیغمبر کے اخلاق اپنانے چاہئیں۔"

اس شعر میں عطار نے نبوی اخلاق کو معرفت نبوی کی شرط قرار دیا ہے۔ "هر که خواهد تا که او را پی برد" یعنی جو اسے (حضرت محمد ﷺ کو) پہچاننا چاہتا ہے، یعنی ان کی حقیقی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ "باید او اخلاق پیغمبر گزیند" یعنی اسے پیغمبر کے اخلاق اپنانے چاہئیں، یعنی ان کے اخلاق کو اپنی زندگی میں ڈھالنا چاہیے۔ یہ تصوف کا بنیادی اصول ہے کہ شیخ کی معرفت کے لیے اس کے اخلاق کو اپنانا ضروری ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ نبوی اخلاق کو اپنانا ہی ان کی معرفت کا راستہ ہے۔

۴۔ روحانی اثر

الٰہی نامہ کا سب سے بڑا کمال اس کا روحانی اثر ہے۔ یہ کتاب نہ صرف قاری کو علمی معلومات فراہم کرتی ہے بلکہ اس کے دل و جان پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ عطار نے خود اس کتاب کے روحانی اثر کو بیان کیا ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ کے روحانی اثر کے بارے میں فرمایا ہے:

«این کتابی است از خدا بر بنده‌اش / تا برد از ظلمات سوی نور خویش»[44]

ترجمہ: "یہ کتاب ہے خدا کی طرف سے اپنے بندے پر، تاکہ اسے ظلمات سے اپنے نور کی طرف لے جائے۔"

اس شعر میں عطار نے الٰہی نامہ کے روحانی اثر کو بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "این کتابی است از خدا بر بنده‌اش" یعنی یہ کتاب ہے خدا کی طرف سے اپنے بندے پر، یعنی یہ الٰہی الہام کا نتیجہ ہے۔ "تا برد از ظلمات سوی نور خویش" یعنی تاکہ اسے ظلمات (جہالت، گناہ، غفلت) سے اپنے نور (معرفت، ہدایت، تقوی) کی طرف لے جائے۔ یہ شعر الٰہی نامہ کو ایک ہدایت نامہ قرار دیتا ہے جو انسان کو اندھیرے سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ الٰہی نامہ کو پڑھنا اور اس پر عمل کرنا اسے جہالت سے معرفت کی طرف لے جا سکتا ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ کے روحانی اثر کے بارے میں مزید فرمایا ہے:

«هر که خواند این کتاب و نگریست / جان او از ذوق حق شیدا شود»[45]

ترجمہ: "جو یہ کتاب پڑھے اور غور کرے، اس کی جان حق کے ذوق سے شیدا ہو جائے۔"

اس شعر میں عطار نے الٰہی نامہ کے پڑھنے کے اثر کو بیان کیا ہے۔ "هر که خواند این کتاب و نگریست" یعنی جو یہ کتاب پڑھے اور اس میں غور کرے (صرف پڑھ کر نہ چھوڑے بلکہ اس کے معنی پر غور کرے) "جان او از ذوق حق شیدا شود" یعنی اس کی جان حق کے ذوق سے شیدا (مست، بے خود) ہو جائے، یعنی اسے اللہ کی محبت کا ایسا نشہ چڑھے کہ وہ اپنے آپ کو بھول جائے۔ یہ وہ اعلیٰ ترین روحانی مقام ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ الٰہی نامہ کو غور سے پڑھنے سے روحانی بے خودی حاصل ہوتی ہے۔

---

[43] عطار، الٰہی نامہ، ص ۸۰

[44] عطار، الٰہی نامہ، ص ۴۳۰

[45] عطار، الٰہی نامہ، ص ۴۳۲

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

خلاصہ بحث

اس مضمون کے تفصیلی مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ الٰہی نامہ عطار کی اخلاقی و نبوی تعلیمات کا شاہکار ہے۔ ہم نے دیکھا کہ الٰہی نامہ تقریباً ۶۵۰۰ اشعار پر مشتمل ہے اور اس کی ساخت ایک فریم اسٹوری پر مبنی ہے، جس کے اندر متعدد چھوٹی بڑی حکایات پیش کی گئی ہیں۔ اس کا اسلوب نہایت سادہ، روانہ اور مؤثر ہے، اور اس میں پند و نصیحت کا لہجہ بہت نمایاں ہے۔ موضوعاتی اعتبار سے یہ کتاب صوفیانہ تصورات، اخلاقی اصول، نبوی تعلیمات، اور انسانی نفسیات کا حسین امتزاج ہے۔

اخلاقی حکایات کے تجزیے میں ہم نے دیکھا کہ عطار نے بادشاہ و رعایا کے تعلق کو عدل و انصاف کی تعلیم کے لیے استعمال کیا ہے۔ نفس کی تربیت کو انہوں نے انسان کی سب سے بڑی ضرورت قرار دیا ہے اور ریاضت و مجاہدہ کو اس کا ذریعہ بتایا ہے۔ عدل و انصاف کو معاشرے کی بنیاد قرار دیا گیا ہے اور ظلم کو سب سے بڑی برائی قرار دیا گیا ہے۔ اخلاقی اصلاح کے لیے توبہ اور صبر کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

صوفیانہ اخلاقی فکر میں ہم نے دیکھا کہ سادگی اور زہد کو روحانی ترقی کی شرط قرار دیا گیا ہے۔ عشقِ حقیقی کو سب سے بلند مرتبہ دیا گیا ہے اور عقل کو عشق کے مقابلے میں کمزور قرار دیا گیا ہے۔ روحانی کمال کا مقصد "فنا" اور "بقا" ہے، جہاں انسان اپنی انفرادیت کھو کر خدا میں گم ہو جاتا ہے۔ اخلاقی پاکیزگی کو دل کی آئینہ صافی سے تشبیہ دی گئی ہے اور معرفت کو "دل سوختن" اور "باختن" کے ذریعے حاصل ہونے والی چیز قرار دیا گیا ہے۔

نبوی اخلاق کی ادبی تشکیل میں ہم نے دیکھا کہ عطار نے حضرت محمد ﷺ کی تعریف میں بہت خوبصورت اشعار کہے ہیں۔ ان کا اسلوبی جمال سادگی اور دلکشی میں ہے۔ انہوں نے تمثیلی بیان کے ذریعے نبوی اخلاق کو عام لوگوں کے لیے قابلِ فہم بنایا ہے۔ اخلاقی پیغام میں تواضع، درگزر، ہمدردی، اور غمخواری کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔ اور روحانی اثر میں یہ کتاب قاری کے دل و جان پر گہرا اثر ڈالتی ہے اور اسے ظلمات سے نور کی طرف لے جاتی ہے۔

یہ تحقیق اس اہم نتیجے پر ختم ہوتی ہے کہ الٰہی نامہ نہ صرف ایک ادبی شاہکار ہے بلکہ اخلاقی و نبوی تعلیمات کا ایک مکمل نظام ہے جو آج بھی اپنی معنویت رکھتا ہے۔ عطار نے اس کتاب میں قرآن و سنت کی تعلیمات کو اپنی شاعرانہ زبان میں ڈھال کر ایک ایسا خزانہ پیش کیا ہے جو صدیوں تک قارئین کی روحانی پیاس بجھاتا رہے گا۔

مصادر و مراجع

فرید الدین عطار، الٰہی نامہ، تصحیح محمد رضا شفیعی کدکنی (تہران: سخن، ۱۳۸۷ش)۔